فقہ القرآن

(وحید)

غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔ میری ملاقات ایک صاحب سے ہوئی۔ جو ایک یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر تھے۔ اسلام کے فلسفیانہ فکر پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسلام میں ثانوی عقلیت (Secondary rationalism) ہے۔ اسلام میں ابتدائی عقلیت (Primary rationalism) نہیں۔

ان کا مطلب یہ تھا کہ اسلامی فکر کا آغاز وحی سے ہوتا ہے۔ آدمی پیشگی طور پر وحی کو مسلمہ صداقت مان کر سوچنا شروع کرتا ہے۔ جب کہ عام انسانی فلسفہ میں کوئی چیز پیشگی مسلمہ کے طور پر نہیں مانی جاتی۔ بلکہ تحقیق و جستجو کے بعد جو بات ثابت ہوتی ہے اس کو تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

میں نے کہا کہ آپ کی بات بطور واقعہ درست ہے۔ مگر میں اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ اس دنیا میں انسان کے لئے ثانوی عقلیت ہی ممکن ہے۔ ابتدائی عقلیت موجودہ دنیا میں انسان کے لئے قابل عمل اور قابل حصول نہیں۔

ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم کو صرف محدود عقلی صلاحیت حاصل ہے۔ حقائق کی کائنات لامحدود ہے اور اس کے مقابلہ میں انسان کی عقل انتہائی محدود۔ اس لئے ابتدائی عقلیت کا اصول ایک دل پسند اصول تو ہو سکتا ہے مگر وہ قابل عمل اصول نہیں۔

خالص فنی اعتبار سے اسلام کی عقلیت اگرچہ ثانوی عقلیت ہے مگر وہ عام معنوں میں ادعائیت (Dogmatism) کی قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حقیقت کے بارے میں ایک بیان (Statement) دیتا ہے اور اس کے بعد انسان سے یہ کہتا ہے کہ اس بیان کو واقعات معلومہ (Known facts) پر جانچ کر دیکھو۔ اگر تم پاؤ کہ یہ بیان واقعات معلومہ سے مطابقت رکھتا ہے تو تم کو مان لینا چاہئے کہ یہ عین درست ہے۔

علم کیا ہے، اور انسان اس علم تک کس طرح پہنچتا ہے یا پہنچ سکتا ہے، اس سلسلہ میں

جدید سائنس نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ علم تک پہنچنے کے تین مرحلے ہیں :

۱۔ مشاہدہ(Observation)

۲۔ مفروضہ (Hypothesis)

۳۔ تصدیق(Verification)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اولاً آدمی کے سامنے کچھ واقعات آتے ہیں۔ ان واقعات کی توجیہہ کے لئے اس کے ذہن میں ایک مفروضہ قائم ہوتا ہے۔ اب وہ مزید مطالعہ شروع کرتا ہے۔ اگر مزید یا وسیع تر مطالعہ اس کے مفروضہ کی تصدیق کرے تو مان لیا جائے گا کہ وہ حقیقت ہے۔ اس آخری مرحلہ میں پہنچ کر ابتدائی مفروضہ ثابت شدہ حقیقت(Proved fact) بن جاتا ہے۔

اس کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ زمین پر قدیم انسان نے دیکھا کہ یہاں خشکی کے حصے بھی ہیں اور سمندر بھی۔ اس نے ابتدائی طور پر یہ مفروضہ قائم کیا کہ زمین پر آدھا حصہ خشکی ہے اور آدھا حصہ پانی۔ یہ مفروضہ یونانی فلسفیوں کے زمانے سے لے کر ابن خلدون تک قائم رہا۔

اس کے بعد خشکی اور سمندر کے سفروں سے آدمی نے یہ جانا کہ خشکی کے مقابلے میں پانی کا حصہ زمین پر زیادہ ہے۔ اس دوسرے مشاہدے سے پہلا مفروضہ رد ہو گیا۔ اب دوسرا مفروضہ یہ قائم ہوا کہ زمین پر پانی کا حصہ دو تہائی ہے اور خشکی کا حصہ ایک تہائی۔ اس کے بعد مزید ذرائع انسان کو حاصل ہوئے اور یہ ممکن ہو گیا کہ خشکی کے حصے اور پانی کے حصے کی باقاعدہ پیمائش کی جا سکے۔ چنانچہ باقاعدہ پیمائش سے معلوم ہوا کہ زمین کی سطح پر پانی کا حصہ ۷۱ فیصد ہے اور خشکی کا حصہ ۲۹ فیصد۔ بعد کے اس مشاہدہ نے دوسرے مفروضہ کی تصدیق کر دی اور وہ مسلمہ حقیقت کے طور پر مان لیا گیا۔

٭ قرآن کا فلسفہ بھی تقریباً یہی ہے۔ البتہ مقدمات کی ترتیب کے اعتبار سے دونوں میں معمولی فرق پایا جاتا ہے۔ قرآن کا فلسفہ یا قرآن کا طریقہ تفکیر معمولی فرق کے ساتھ یہ ہے کہ اس میں سب سے پہلے "مفروضہ" قائم ہوتا ہے۔ اس کے بعد "مشاہدہ" کی روشنی میں اس پر غور و فکر کیا جاتا ہے اور پھر آخر میں "تصدیق" کا درجہ آتا ہے۔ یعنی قرآن کے دعویٰ (مفروضہ) کو لے کر

اس پر غور کرنا اور پھر غور و فکر کی سطح پر مفروضہ کی واقعیت ثابت ہونے کے بعد اس کو مسلمہ حقیقت مان لینا۔ اسی آخری درجہ معرفت کا نام قرآن کی اصطلاح میں ایمان ہے۔

گویا سائنس کے طریق علم کی ترتیب یہ ہے: مشاہدہ' مفروضہ' تصدیق' اس کے بجائے قرآن کے طریق علم کی ترتیب یہ ہے کہ مفروضہ' مشاہدہ' تصدیق۔

Science : Observation - Hypothesis - Verification

Qur'an: Hypothesis - Observation - Verification

دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ عام انسانی فلسفہ میں فکر کا آغاز تلاش (Pursuit) سے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قرآنی فلسفہ میں فکر کا آغاز دریافت (Finding) سے ہوتا ہے۔ قرآن ابتداءً یہ دعویٰ یا علمی زبان میں مفروضہ پیش کرتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور اس کائنات کا ایک انجام ہے' اس کے بعد قرآن تخلیقی دنیا کے مختلف شواہد (آیات) انسان کے سامنے لاتا ہے اور انسان سے کہتا ہے کہ ان شواہد پر غور کرو اور دیکھو کہ کیا یہ شواہد قرآن کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔

اب تک کے تجربات بتاتے ہیں کہ کائنات کے تمام حقائق معلومہ (Known facts) قرآن کے بیان کی تصدیق کر رہے ہیں۔ کوئی بھی معلوم حقیقت ایسی نہیں جو قرآن کے بیان سے ٹکرانے والی ہو یا اس کو مشتبہ ثابت کرتی ہو۔

اس کی ایک مثال لیجئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں یہ اعلان کیا کہ مجھ پر خدا نے اپنے فرشتے کے ذریعہ وحی بھیجی ہے' اس پر مکہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری بات کو صرف اس وقت مانیں گے جب کہ ہم اپنی آنکھ سے دیکھیں کہ فرشتہ خدا کی وحی لے کر آسمان سے تمہارے پاس آرہا ہے۔ اس کے جواب میں قرآن میں کہا گیا کہ لوگ تم سے وحی کے بارے میں پوچھتے ہیں' کہہ دو کہ وحی خدا کے حکم سے ہے اور تم کو صرف تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ (بنی اسرائیل' ۸۵)

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ تھا کہ مکہ کے لوگ پیغمبر اسلام کے دعویٰ رسالت پر براہ راست دلیل مانگ رہے تھے۔ مگر قرآن نے یہ جواب دیا کہ تم اس معاملہ کو بالواسطہ دلیل یا استنباطی دلیل کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہو۔ کیوں کہ تم اپنی محدودیت کی وجہ سے

اس معاملہ میں براہ راست دلیل کا تحمل نہیں کر سکتے۔

یہ معاملہ اسی طرح متنازعہ صورت میں تاریخ میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹ویں صدی میں سائنسی ذرائع کی دریافت کے بعد جدید مفکرین نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمیں کسی معاملہ میں بالواسطہ یا استنباطی استدلال پر قانع رہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم جدید ذرائع کی مدد سے تمام امور پر براہ راست دلیل قائم کر سکتے ہیں۔

مگر بیسویں صدی کی تحقیقات نے آخری طور پر یہ ثابت کر دیا کہ انسان کی ذہنی محدودیت فیصلہ کن طور پر اس راہ میں حائل ہے کہ وہ کسی بھی حقیقت پر براہ راست دلیل قائم کر سکے۔ چنانچہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں متفقہ طور پر مان لیا گیا کہ بالواسطہ یا استنباطی استدلال بھی معقول استدلال (Valid argument) ہے بشرطیکہ وہ ثابت شدہ مشاہدات پر مبنی ہو اور تمام متعلق مشاہدات کی زیادہ بہتر توجیہ کرتا ہو۔

مثال کے طور پر نظریہ ارتقاء (Evolution Theory) کو اسی بناء پر سائنس دانوں کے درمیان عمومی قبولیت (General Acceptance) کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ حتی کہ کچھ لوگوں نے اس کو ثابت شدہ حقیقت (Proved fact) کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ ارتقاء کا نظریہ اتنے لمبے ماضی سے تعلق رکھتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کا براہ راست مشاہدہ کیا جا سکے یا اس پر براہ راست دلیل قائم کی جائے۔ ارتقاء کا نظریہ تمام تر ایک استنباطی نظریہ ہے، نہ کہ براہ راست مشاہدہ میں آنے والا نظریہ۔

نظریہ ارتقاء کیا ہے۔ نظریہ ارتقاء کا فارمولا چند لفظوں میں یہ ہے۔ دوبارہ پیدائش' فرق اور فرق کا باقی رہنا۔

Reproduction, Variation, and Differential survival.

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حیوان کے یہاں توالد و تناسل سے بچے پیدا ہوئے۔ ان میں باہم فرق تھا' مثلاً کوئی چھوٹا تھا کوئی بڑا۔ بڑے بچے توالد و تناسل کے عمل کے تحت دوبارہ تھوڑا تھوڑا بڑے ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ بکری کا بچہ لمبی مدت تک فرق جمع ہونے کے نتیجہ میں زرافہ بن گیا۔

ہمارے سامنے ایک ''مفروضہ'' رکھ دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مشاہدات اور تجربات کی جو بھی معلوم مقدار ہے' اس پر جانچ کر اسے دیکھو۔ اگر معلوم مشاہدات اور تجربات اس سے نہ ٹکرائیں' بلکہ وہ اس کی تصدیق کریں تو یہ اس بات کا قرینہ ہوگا کہ وحی کی صورت میں جو مفروضہ قائم کیا گیا وہ عین درست ہے۔

نیوٹن نے دیکھا کہ سیب درخت سے ٹوٹ کر زمین پر گر گیا۔ اس سے اس نے یہ نظریہ یا مفروضہ قائم کیا کہ زمین میں کھینچنے کی طاقت ہے۔ اس واقعہ میں سیب کا گرنا ایک مشہور واقعہ ہے' مگر زمین کی قوت کشش ایک غیبی واقعہ۔ اس واقعہ میں سائنس داں نے ایک غیبی واقعہ کو صرف اسی لئے مان لیا کہ ایک مشہور واقعہ اس کی موجودگی کا قرینہ پیش کر رہا تھا۔ اصولی طور پر' ٹھیک یہی طریق استدلال قرآن میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن بھی یہی کرتا ہے کہ وہ مشہور حقائق سے غیبی حقائق پر دلیل قائم کرتا ہے۔

اس طرز استدلال کی ایک مثال قرآن میں یہ ہے۔

افعیینا بالخلق الاول بل هم فی لبس من خلق جدید ٥

(کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے عاجز رہے' بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے شبہ میں ہیں) ۵۰ / ۵۱

سورہ ق کی اس آیت میں تخلیق اول سے تخلیق ثانی پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس استدلال کی منطق یہ ہے کہ پہلے زندگی بعد موت کا ''دعویٰ'' پیش کیا گیا۔ اس کے بعد زندگی قبل موت کا مشاہدہ سامنے لایا گیا۔ اور پھر کہا گیا کہ جب پہلی بار بے زندگی سے زندگی کا وجود میں آنا ممکن تھا تو دوسری بار بے زندگی سے زندگی کا وجود میں آنا کیوں ناممکن ہوگا۔

انسان خود اپنے وجود کی صورت میں اور دوسرے بے شمار انسانوں کی موجودگی کی صورت میں پہلی تخلیق کا تجربہ کر رہا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ انسان ایک مکمل وجود کے طور پر پہلی بار دنیا میں آتا ہے۔ اس کے بعد وہ مر کر دوبارہ اپنی قبل از پیدائش حالت کی طرف واپس چلا جاتا ہے۔

گویا کہ انسان حالت موت سے حالت زندگی میں آیا۔ اور اس کے بعد پھر حالت موت میں چلا گیا۔ اب اگر ایک بار حالت موت سے حالت زندگی میں آنا ممکن تھا تو دوسری بار حالت

موت سے حالت زندگی میں آنا کیوں ناممکن ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی بار زندگی کا ثابت ہونا' دوسری بار زندگی کو اپنے آپ ثابت کر دیتا ہے۔

اصولی اعتبار سے' قرآن کے استدلال اور سائنس کے استدلال میں کوئی فرق نہیں۔ تمام سائنسی نظریات میں معلوم سے نامعلوم پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ اسی طرح قرآن میں بھی معلوم سے نامعلوم یا شہود سے غیب پر دلیل قائم کی گئی ہے۔ قرآن کا طریق استدلال بھی اتنا ہی سائنٹفک ہے جتنا علوم مادی کا استدلال۔

اسلامی فلسفہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے خالص سائنٹفک فلسفہ ہے۔ جو لوگ سائنٹفک فلسفہ کو مانتے ہوں' ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسلامی فلسفہ کی معقولیت (Va-lidity) کو پوری طرح تسلیم کر لیں۔ خالص علمی اعتبار سے' اس موقف کے سوا کوئی اور موقف انسان کے لئے درست نہیں۔